منیر نیازی کی غزل میں سائنسی انکشافات کا اظہار

سید محمد علی شاہ، پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ اردو، قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان
ڈاکٹر ریاض مجید، شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

Abstract:

Munir Niazi has depicted his undying love for his motherland in his Ghazal by picturing the elements of fear but the impacts of various, sciences, pleasures of romantic relationship and scientific awareness are the features of his "Ghazal". In Ghazal he has shown his learning of various sciences such as physics, chemistry, biology, anthropology and archeology. What is most important with respect to all these points is his approach which is scientific argumentative and philosophical.

Key Words:
Ghazal, Disclosure, Physics, Chemistry, Biology, Anthropology, Archeology

کلیدی الفاظ: غزل، سائنس، انکشافات، طبیعات، کیمیا، حیاتیات، بشریات، آثار قدیمہ

منیر نیازی ان لوگوں میں شامل تھے جن کی آنکھوں نے نہ صرف نئے وطن کی تعمیر کا خواب دیکھا تھا بلکہ اس کی تعمیر و تشکیل کے ابتدائی مراحل میں بطور شعری تخلیق کار حصہ لیا۔ عام تخلیق کاروں کے لیے بھی برصغیر کے اتنے بڑے واقعے سے صرف نظر ممکن نہیں تھا جو ایک نئی مملکت کو وجود میں لایا تو وہ شعرا جن کی آنکھوں نے اس ملک کی تعمیر کے خواب دیکھے وہ کیسے اس سے بے اعتنائی برت سکتے تھے یوں ہمیں منیر کے ہاں وطن عزیز سے محبت کے عناصر وافر مقدار میں میسر آتے ہیں جو ان کے کوائف ذہنی کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ منیر نیازی کی نظم و غزل میں ویسے تو کوئی خاص تفاوت نہیں ہے لیکن منیر کی غزل میں وقتی وجذباتی اور روحانی عناصر کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اس میں وصل کے پرکیف لمحے بھی ملتے ہیں اور ہجر و فراق کی بے چین کیفیتیں بھی۔ برکھا رت ہیں سلگنے کی تصویر کشی بھی دکھائی دیتی ہے اور گل بوٹوں کے مہکنے کی خوشبو بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ گویا منیر کے غزلیہ اشعار میں ایسی حیرت انگیز تمثالیں ابھرتی ہیں جو تمام حواس کو متحرک کرنے کا سامان اپنے اندر رکھتی ہیں تاہم منیر کی غزل کے عمیق مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حسن و عشق کی کیفیات کے علاوہ بھی بہت کچھ کہنے سُننے کی صلاحیت سے متصف ہے جبکہ ان کی نظم میں ایک خاص فضا بندی ہوتی ہے۔ جو مخصوص کیفیات کے اظہار کے لیے ضروری ہے اور اس سے

قاری کو بہت کچھ محسوس کرایا جا سکتا ہے لگتا ہے شاعر خاموشی سے کسی بات کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور صرف وجود کے تحرک (Body Language) سے کچھ کیفیات کے ابھارنے کا کام لیتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ الفاظ اس کی ذہنی کیفیات کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے وہ کھل کر اپنی بات کا ابلاغ نہیں کر سکتا بس ایک فضا بندی کر دیتا ہے، کچھ عکس دکھا دیتا ہے تاکہ ایک مکمل تصویر بن جائے اور سننے یا دیکھنے والا احساسات و جذبات کی متحرک تصویر دیکھ کر ہی سب کچھ محسوس کر لے۔ منیر کی نظم میں ارد گرد کی فضا سے استعارے نہیں لیے گئے بلکہ جنگل کی فضا کو مخصوص لحن میں برتا گیا ہے۔ جنگل کی فضا اور اس کی علامات کے ذریعے خوف اور دہشت کی فضا بندی کی گئی ہے جس میں چڑیلیں، بھوت پریت، عفریت گدھ اور دیگر وحوش و طیور کے ذریعے مکروہ اعمال انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ خوف اور دہشت کے ذریعے عہدِ موجود کے انسان کی بے چینی و بے اطمینانی کا اظہار مقصود ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی منیر نیازی کی شاعری میں ان کیفیات کے حوالے سے رقمطراز ہیں

> ''اس قدر خاموش اور تاریک فضا میں جب کوئی آہٹ یا سرسراہٹ پردہ سماعت سے ٹکراتی ہے تو پورا وجود لرزنے لگتا ہے اور پھر ہر طرف رات کے عفریتوں کے لشکر ڈرانے لگتے ہیں۔ ہیبت ناک چڑیلیں اپنے میلے اور لمبے دانت نکالے جسم نوچنے کو آگے بڑھتی ہیں پیلے منہ اور وحشی آنکھوں میں سرخ انگارے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تنہا آدمی کا وجود خوف سے لرزاں ہو جاتا ہے۔ ہر طرف ننگے جسموں والے سادھو جھوم رہے ہیں۔ تنہا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے دوڑتا ہے تو ہیبت ناک چڑیلیں ہنستی ہیں چیختی ہیں تنہا آدمی کو بھوت راستہ نہیں دیتے اس کا ایک سہارا درخت ہے جس کی شاخوں پر بیٹھ کر وہ ان وحشی بھوتوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ مگر اس نخلِ اماں کی شاخوں پر بھی گدھ آنکھیں میچے خون کی خوشبو سونگھ رہے ہیں۔''(۱)

منیر کی نظموں میں خارجی مناظر کی عکس بندی داخلی کیفیات کی صورت میں ہوتی ہے۔ انسان کے خبیث اور مکروہ اعمال کیسی کیسی صورتوں میں متشکل ہوتے ہیں، منیر نیازی نے نظموں میں اس کا اظہار نہایت تخلیقی سطح پر کیا ہے۔ ان کیفیات کا عکس ان کی غزل پر بھی پڑا ہے۔ لیکن غزل میں منیر تسلسل خیال کے قائل نہیں ہیں۔ ویسے تو ہر غزل کے باطن میں ایک تسلسل ہوتا ہے جو تمام اشعار کی شیرازہ بندی کرتا ہے مگر مسلسل غزل جیسی صورتِ حال کو اُبھارنا ایک الگ بات ہوتی ہے۔ منیر نے غزل کو غزل رہنے دیا، ویسے منیر کی غزل اور نظم دونوں میں وطن عزیز کی محبت کے عناصر یکجا نظر آتے ہیں بظاہر کسی بھی قسم کی کیفیت کا اظہار مقصود ہو اس کے باطن میں وطن اور اہل وطن کی محبت جاگزیں ملتی ہے۔ چاہے وہ کوئی جنگل کی فضا ہو یا شہر پر آسیب کے سائے کا گمان ہو، جس سے حرکت تیز تر ہوتے

ہوئے بھی سفر آہستہ آہستہ ہو رہا ہو منیر کا ہر تیر وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والے عناصر پر ہی گرتا ہے۔ عہد گزشتہ میں عربی و فارسی قصائد کے علاوہ اردو قصائد میں بھی شاعر بادشاہِ وقت کی تعریف و توصیف کے پل اس لیے نہیں باندھتا تھا کہ وہ دربار سے کچھ حاصل کرلے بلکہ وہ اس خواہش کا اظہار بھی کرتا تھا کہ کاش ایسا ہو کہ بادشاہ وقت رحمدل اور انصاف پسند ہو اور عوام پر سکون اور پُر امن ماحول میں سکھ کا سانس لیں۔ منیر کی غزل و نظم میں بھی وطن اور اہل وطن کی محبت میں اس آدرش کی تلاش ملتی ہے۔

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''منیر نیازی وطن کی محبت کے باعث ایک ایسے نگر کے خواب دیکھتے ہی جہاں نفرت نام کو نہ ہو اس کے باسی آپس میں دھوکا دہی سے کام نہ لیں اور کہیں بھی ظلم کی طاقت نظر نہ آئے ہر طرف امن اور سکون ہو اور لوگ پر سکون زندگی بسر کریں اس مثالی نگر کو ہم منیر نیازی کا یوٹوپیا(Utopia) کہہ سکتے ہیں۔ایسی بستی ممکنات میں نظر نہیں آتی مگر شاعر اپنے تخیل سے ہی اسے دنیا کا ہی ایک حسین خطہ ثابت کرتا ہے۔''(۲)

وطن سے محبت ہی منیر کو ایک صالح فرد کی تلاش پر اکساتی ہے تاکہ ایک صالح معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے اور وطنِ عزیز میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہو جو اس کے قیام کے اغراض و مقاصد سے بے اعتنائی نہ برت سکے اور ان اغراض و مقاصد کی تکمیل ممکن ہو سکے۔ وطن کی محبت کا اظہار تو منیر کی تمام شاعری میں ملتا ہے لیکن غزل میں منیر نے جس رمزیہ انداز میں رومانوی خصوصیات کو اپنے جلو میں رکھتے ہوئے خارجی منظر نامہ تخلیق کیا ہے۔اس سے وہ ایسی صورتِ حال کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو وطن عزیز کی ترقی اور اس کے فروغ کے امکانات کو واضح کر سکے۔

ایسی صورت میں جو غزل منیر کے ہاں مشتکل ہوتی ہے اس میں نظم کے مقابلے میں زیادہ تفکرانہ اور فلسفانہ انداز در آتا ہے جس سے ایک سائنسی اندازِ فکر بھی اُبھرتا ہے اور ایک رومانوی فضا بھی، شاعرانہ خلوص اور دردمندی کے پہلو بہ پہلو ایک وسیع کائناتی تفکر و تدبر کا انداز ابھرتا ہے۔ جو بارہا ایک سائنسی انکشاف پر منتج ہوتا ہے۔ منیر کے مجموعے ''سیاعتِ سیار'' کا دیباچہ فیض احمد فیض نے تحریر کیا ہے ان کی قلمی تحریر کا عکس کتاب میں شائع کیا گیا ہے جس میں فیض نے منیر نیازی کی شاعری کو سراہتے ہوئے ان کے جذبہ خلوصِ شعری، دردمندی کے اظہار کے ساتھ ساتھ مفکرانہ تجسس کی نشاندہی بھی کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''منیر نیازی کا ہر مجموعہ ان کے مداحوں اور چاہنے والوں کے لیے جنتِ نگاہ اور فردوس گوش کا سامان لے کر آتا ہے۔ ان کو مثردہ ہو کہ ''ساعتِ سیار'' کی صورت میں ایک اور دلچسپ مرقع ان کی ضیافتِ طبع کے لیے وارد ہوا ہے جو منیر کے سبھی معروف اوصاف سے متصف ہے، زبان و اظہار کی سادگی و پرکاری، جذبات و افکار کا خلوص اور دردمندی منیر کی ذات کی طرح ان ابیات میں قلندرانہ طنطنہ اور بے نیازی بھی ہے، مفکرانہ تجسس اور دلسوزی بھی۔''(۳)

اس مفکرانہ تجسس اور دلسوزی میں شاعر جب اپنے ارد گرد پر نظر دوڑتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے منیر نے جب کچھ مفکرانہ سوالات اُٹھائے تو سائنسی جہت کے بھی حامل ہو گئے۔

یہ آنکھ کیوں ہے یہ ہاتھ کیا ہے
یہ دن ہے کیا چیز رات کیا ہے
گماں ہے کیا اس صنم کدے پر
خیال مرگ و حیات کیا ہے(۴)

ان مفکرانہ سوالات کی موجودگی جو شاعر کے حیطۂ ادراک پر دستک دیتی ہے شاعر جب اپنے موجودہ علم اور پھر اپنے مشاہدے کو شعری رنگ دیتا ہے تو اس فضائے بے اماں کے متعلق بہت سے اکتشافات اس کی تخلیق کا حصہ بنتے ہیں۔ پہلے منیر کے وہ اشعار درج کیے جاتے ہیں جو فلکیات اور خلا سے متعلق ہیں اور جن کے حوالے سے دیگر کئی خیالات، سوالات کی صورت میں شکل پزیر ہوئے ہیں۔

ایک دشت لامکاں پھیلا ہے میرے ہر طرف
دشت سے نکلوں تو جا کر کن ٹھکانوں میں رہوں(۵)

ایسا سفر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں
ایسا مکاں ہے جس میں کوئی ہم نفس نہیں(۶)

بے حقیقت دور یوں کی داستاں ہوتی گئی
یہ زمیں مثلِ سرابِ آسماں ہوتی گئی(۷)

کلر بکس جیسے کھلا تھا منیر
کچھ ایسے ہی منظر فضاؤں میں تھے(۸)

اے منیر اس زمین کے سر پر
آسماں کا عذاب سا کیا ہے(۹)

یہ نیلگوں آسمان جسے ہمارے عربی فارسی اور اردو حتیٰ کہ مغرب کے شعراء بھی روایتی انداز میں صاحب تقدیر کا استعارہ مانتے تھے، ثواب وعذاب کے اُترنے کی جگہ بتاتے تھے۔اس سے کئی گلے بھی رکھتے تھے اور خوش بھی ہوتے تھے۔جدید سائنس نے جہاں کئی اور روایات کی نفی کی وہاں یہ بھی کہہ دیا کہ آسمان کوئی ٹھوس شئے نہیں بلکہ اسکا نیلا رنگ ہماری نظر کا دھوکا ہے یہ کچھ گیسوں کا مجموعہ ہے اور کچھ نہیں۔اگرچہ یہ خیال مذہبی نظریات سے متصادم ہے تاہم اس کی گونج ہر اس شاعر کے خیال میں سنائی دیتی ہے جس نے سائنسی شعور کو اشعار میں برتا ہے۔منیر کی غزل کے بھی اشعار میں ان خیالات کو خاطر خواہ جگہ دی گئی ہے۔چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

تُند نشہ خمار سا نکلا
آسماں بھی غبار سا نکلا(۱۰)

دیوار فلک محرابِ زماں سب دھوکے آتے جاتے ہوئے
یہ ایک حقیقت ہم پہ کھلی جب سے وہ کھلا بن دیکھا ہے(۱۱)

کھلا تہ بہ تہ نیلگوں آسماں
مکاں ایک تھا اس کے اندر کئی(۱۲)

یہ گنبد نیل جو کہ حقیقت میں فریبِ نگاہ ہے اس کے اندر کہکشاں در کہکشاں کے سلسلے ہیں اور ہر سلسلے میں نظام شمسی کی طرح کئی اور نظام رقصاں ہیں ایک انسان کی کیا حقیقت یا اس کی صوت وصدا کی کیا اہمیت ان کے سامنے

ایک میں اور اتنے لاکھوں سلسلوں کے سامنے
ایک صوتِ گنگ جیسے گنبدوں کے سامنے

چار چپ چیزیں ہیں بحروبر فلک اور کوہسار
دل دہل جاتا ہے ان خالی جگہوں کے سامنے (۱۳)

منیر جب تخیلاتی سطح پر فلکیات و کونیات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کی سادگی و پرکاری سے مملو غزل میں رمزیہ انداز کے باوجود ایک واضح عکس ابھرتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر ایک بہت بھاری دوربین لے کر زمین و آسمان کے درمیان کہیں ٹھہرا ہے اور کواکب و سیار کا مشاہدہ نہایت جانفشانی سے کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نہایت دلچسپ پیرائے میں تبصرہ بھی کر رہا ہے جو کہ ایک رواں کمنٹری کی طرح محسوس ہوتا ہے۔

شہر بربت بحروبر کو چھوڑتا جاتا ہوں میں
اک تماشا ہو رہا ہے دیکھتا جاتا ہوں میں
ابر ہے افلاک پر اور اک سرا سیمہ قمر
ایک دشتِ رائیگاں ہے دوڑتا جاتا ہوں میں (۱۴)

زمین دور سے تارا دکھائی دیتی ہے
رکا ہے اس پہ قمر چشم سیر بیں کی طرح
فریب دیتی ہے وسعت نظر کی افقوں پر
ہے کوئی چیز وہاں سحر نیلمیں کی طرح (۱۵)

ڈوبا نڈھال سورج تاروں کا باغ چمکا
پیڑوں کی چوٹیوں پر مہ کا چراغ چمکا (۱۶)

نظموں میں منیر نے جو تحیر خیز فضا تخلیق کی ہے وہ اپنی انفرادیت کے لحاظ سے اردو نظم میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے غزل میں بھی منیر نے تحیر آمیز فضا کو کامیابی سے پینٹ کیا ہے لیکن غزل میں فضا کائناتی اور فضائی حوالے سے تشکیل پاتی ہے۔ منیر نے ناصر کاظمی کے دور میں جو تمثالیں تراشی ہیں وہ ناصر کے تخلیق کردہ ماحول سے بہت مختلف ہیں یہ تمثالیں کرہ ارض کی خلائی فضا کی تصویریں بنتی نظر آتی ہیں۔ آج کا دور سٹیلائیٹ کا دور ہے لیکن منیر نے کئی دہائیاں پہلے ایسی تمثالیں تخلیق کی ہیں جو فلکیاتی تصاویر کا البم نظر آتی ہیں۔

''اردو غزل نئی تشکیل''، میں ڈاکٹر طارق ہاشمی منیر کے ان تجربات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''منیر کی تمثالوں میں کائنات کی ایسی تصویریں بھی ہیں جنھیں دیکھ کے ایسا لگتا ہے جیسے کسی اور سیارے سے کھینچی گئی ہے ان تصویروں میں صرف کرہ ارض کے بحر و بر ہی نہیں بلکہ آفاق کی وسعتوں کے بے کراں مناظر بھی ہیں۔ یہ تصویریں کیمرے کی ساکن تصویریں نہیں بلکہ ایسی متحرک تمثالیں ہیں جن میں کائنات میں موجود مہ و مہر اور گردشِ سیار کا پورا نظام اپنے تحرک کا احساس دلاتا ہے۔ بقول سہیل احمد خان'' غزل کا یہ منطقہ ہمیں ایک نئی کونیات (Cosmology) سے دوچار کر رہا ہے۔''(۱۷)

چاند اور سورج کے حوالے سے اردو شاعری بلکہ تمام زبانوں کا دامن پر ہے یہ وہ استعارے اور علامتیں ہیں جنھیں قدیم ادوار سے شعرا استعمال کرتے آئے ہیں لیکن منیر نیازی نے ان کو سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔

ابھی ہے وقت چلیں چل کے اس کو دیکھ آئیں
نہ جانے شمسِ رواں کب لہو اگلنے لگے(۱۸)

اک مسافت پاؤں شل کرتی ہوئی سی خواب میں
اک سفر گہرا مسلسل زردیِ مہتاب میں(۱۹)

اور درج ذیل شعر میں تیز دھوپ کس طرح رنگوں کو چاٹ جاتی ہے اس کیمیائی و طبعی صورتِ حال کو کتنی خوبصورت سے اُجاگر کیا گیا ہے۔

سورج کی آگ زہر ہے رنگوں کی آب کو
ہے دور تک غبار سا باغوں کے ساتھ ساتھ
عریاں ہوا ہے ماہ شبِ ابر و باد میں
جیسے سفید روشنی غاروں کے ساتھ ساتھ(۲۰)

صحن کو چمکا گئی بیلوں کو گیلا کر گئی
رات بارش کی فلک کو اور نیلا کر گئی

دھوپ ہے اور زرد پھولوں کے شجر ہر راہ پر
اک ضیائے زہر سب سڑکوں کو پیلا کر گئی(۲۱)

اور درج ذیل اشعار میں کرہ ارض پر انسانی زندگی کو نظامِ شمسی بلکہ تمام کائناتی نظام کا محتاج بتایا گیا ہے اور ساری صورت حال پر کچھ جھنجھلاہٹ کا اظہار بھی ملتا ہے اشعار کی تفہیم کے وقت قاری پر نہیں کھلتا کہ خطاب کس سے کیا گیا ہے۔

اسیر خواہش قید مقام تو ہے کہ میں
نظام شمس و قمر کا غلام تو ہے کہ میں
نمائش مہِ کامل پر کس کا سایہ ہے
یہ اس کے چار طرف ابر شام تو ہے کہ میں(۲۲)

ہلالِ حرفِ خوف کا فیصل سنگ نیل پر
یا عدم کا زرد رنگ خواہش خراش میں(۲۳)

سورج کی رمک بجلی کی چمک ساون کا ہرا بن دیکھا ہے
رنگین ملائم پتوں کی سر سر سے بھرا بن دیکھا ہے(۲۴)

نیل آرم سٹرانگ نے ۱۹۶۹ء میں چاند کی سطح پر قدم رکھا تو پوری انسانیت کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔انسان نے اپنی قوتِ ارادی کے زور پر یہ کارنامہ انجام دیا،اس کارنامے کو دنیا بھر میں سراہا گیا،بے شمار تحریریں منظرِ عام پر آئیں دنیا کی ہر زبان میں اس واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ہر اس ادیب اور شاعر نے اس واقعے پر داد و تحسین کے ڈونگرے سے برسائے جو جدید دنیا اور جدید انسانی کاوشوں کا معترف تھا۔منیر نیازی نے اردو غزل کے ایک شعر میں نہایت سادہ پیرائے میں اس عمل کو سراہا

یہ تو ہوا ہے آدمی پہنچا ہے ماہ تک
کچھ بھی ہوا وہ واقف افلاک تو ہوا(۲۵)

بگ بینگ (Big Bang) کی تھیوری نے مذہبی روایت کو بھی مستحکم کیا کہ پہلے تمام عناصر یکجا تھے پھر ایک زوردار دھماکا ہوا اور بے انتہا درجہ حرارت پیدا ہوا اور پھر نظام کائنات چل پڑا پروفیسر طفیل ڈھانہ "بگ بینگ سے کلوننگ تک" میں لکھتے ہیں:

"اس تھیوری کے مطابق کائنات کا کثیر مادہ لطیف لامحدود خلا میں ایک نکتہ پر مرتکز ہو گیا۔ مادہ کی انتہائی کثافت کے نتیجے میں پیدا ہونے والا کائناتی گولا عظیم دھماکہ سے پھٹ پڑا۔ اس عظیم دھماکہ کو بگ بینگ کا نام دیا گیا ہے اور سائنسدانوں کا موقف ہے کہ ہماری کائنات اس عظیم دھماکہ کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ نظریہ اضافیت کے خالق سائنسدان آئن سٹائن نے کہا کہ مادہ تو وجود میں آچکا تھا مگر کیمیائی عناصر کی تشکیل ابھی تک نہ ہو پائی تھی۔"(۲۶)

منیر نیازی نے اس ساری صورت حال کو غزل کے ایک شعر میں یوں برتا کہ تمام ماجرہ بھی بیان کر دیا اور تغزل کا خون بھی نہ ہونے دیا۔ بات واضح بھی ہے اور رمزیہ پیرائے میں بھی ہے وہ لکھتے ہیں۔

اک صدا اُٹھی تو اک عالم ہوا پیدا منیر
اک کلی مہکی تو پورا گلستاں ہوتی گئی(۲۷)

اسی سے متصل ایک اور شعر بھی اسی نظریے کی توسیع ہے

کس خرابی میں ہوا پیدا جمال زندگی
اصل کس نقل مکاں میں رائیگاں ہوتی گئی(۲۸)

منیر کی غزل میں پانی کی علامت بھی مخصوص طریقے سے استعمال ہوئی ہے اس لفظ کو بھی منیر نے جدید صورت حال بلکہ جدید سائنسی صورت حال کے حوالے سے برتا ہے۔

بادل اڑے تو گم آسمان دکھائی دیا
پانی اُترے تو اپنا مکان دکھائی دیا(۲۹)

انسان کی ابتدائی تاریخ بتاتی ہے کہ پتھر کے دور کے بعد جب انسان زرعی دور میں داخل ہوا تو ابتدا میں دریاوں سمندروں اور چشموں کے کنارے آبادیاں ہوئیں۔ اور جدید دور میں تو یہ پیش گوئیاں ہو رہی ہیں کہ آنے والے وقتوں میں جنگیں پانی پر ہوں گی فی زمانہ بڑے بڑے دریاؤں پر ڈیموں اور بیراجوں پر ایٹمی ری ایکٹر نصب کر کے بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔ جو آج کل زندگی کا جزوِلاینفک ہے۔ منیر کہتے ہیں

سب شور شہر خاک کا ہے قرب آب سے
پانی نہ ہوتو شہر کا جینا محال ہو(۳۰)

اسی طرح ایک اور شعر میں پانی کا لفظ خوف کی فضا پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ گزرے دنوں میں پانی نے جو ''سونامی'' کی شکل میں تباہیاں مچائیں وہ اظہر من الشمس ہیں اور جن کی وجہ سمندر کی تہہ میں موجود چٹانوں میں پیدا ہونے والا زلزلہ تھا۔ منیر کا شعر ملاحظہ ہو

دل خوف میں ہے عالم فانی کو دیکھ کر
آتی ہے یاد موت کی پانی کو دیکھ کر (۳۱)

اگرچہ یہ شعر کربلا کا استعارہ بھی ہے کیونکہ یہ ''دشمنوں کے درمیان شام'' میں درج ہے جس کا انتساب حضرت امام حسینؓ کے نام کیا گیا ہے اور مجموعے کے نام کی نسبت بھی اس تعلق کو ظاہر کر رہی ہے لیکن منیر کے دیگر کوائف ذہنی کو ذہن میں رکھیں اور بطورِ علامت کے منیر کے پاس پانی کے لفظ کو دیکھیں تو اس کی جدید تشریح بھی ممکن نظر آتی ہے۔ اس طرح ایک اور شعر میں پانی کی علامت قابلِ غور ہے۔

تیز ہے بوئے شگوفہ ہائے مرگِ ناگہاں
گھر گئی خاکِ زمیں جیسے حصارِ آب میں (۳۲)

ہمارا یہ کرۂ ارض جس کے ستر فی صد سے زیادہ حصے پر پانی موجود ہے۔ چاروں طرف سے وسیع سمندروں نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے خشکی پر موجود دریا جھیلیں جھرنے، چشمے اور نہریں اس پر مستزاد ہیں اور جہاں بھی کھدائی کریں وہیں پانی نکل آتا ہے جبکہ یہ کرہ خلا میں تیر بھی رہا ہے پانی کی نسبت سے اس کرہ ارض کے تیرنے کو منیر نے کس حسن وخوبی سے نبھایا ہے؛

زمین کے گرد بھی پانی زمیں کی تہہ میں بھی
یہ شہر جم کے کھڑا ہے جو، تیرتا ہی نہ ہو
اس غزل کا مطلع بھی قابلِ دید ہے
سفر میں ہے جو ازل سے یہ وہ بلا ہی نہ ہو
کواڑ کھول کے دیکھوں کہیں ہوا ہی نہ ہو(۳۳)

منیر کی غزل میں علم کیمیا (Chemistry) اور علم ارضیات (Geology) کے بھی خفیف سائنسی اشارات واکتشافات ملتے ہیں

ہوں اگر زیرِ زمیں تو فائدہ ہونے کا کیا
سنگ و گوہر ایک ہیں پھر ساری دھاتیں ایک ہیں
اے منیر آزاد ہو اس سحر یک رنگی سے تو
ہو گئے سب زہر یکساں سب نباتیں ایک ہیں(۳۴)

اس شہر کے یہیں کہیں ہونے کا رنگ ہے
اس خاک میں کہیں کہیں سونے کا رنگ ہے(۳۵)

آسماں اک سایہ جیسے خالی ہاتھوں پر
اور زمیں اک مار خاک کا قیمتی دھاتوں پر(۳۶)

زمیں میں موجود خزانوں میں دھاتیں دھماکہ خیز مواد اور کیمیکل وغیرہ موجود ہے اور اس میں چھپی چٹانوں میں لاوے کی بے پناہ حرارت بھی موجود ہے ان کی طرف نشاندہی کرتا ہوا یہ شعر دیکھیں۔

دبی ہوئی ہے زیر زمیں اک دہشت گنگ صداؤں کی
بجلی سی کہیں لرز رہی ہے کسی چھپے تہ خانے میں(۳۷)

جدید میڈیکل سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارے جسم میں ہر لحہ فنا ہونے کا عمل جاری ہے ہمارے وجود کے کئی سیل ختم ہوتے جاتے ہیں اور کئی نئے بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عمر کے بڑھنے سے جسمانی نقوش بھی تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ منیر نے اس صورت حال کو دودِ دم یعنی سانس کے دھوئیں کی آمد و رفت کی ترکیب کے ساتھ نہایت چابکدستی سے برتا ہے۔

مٹتے جاتے نقش دودِدم کی آمدرفت سے
کھلتے جاتے بے صدا لب آئینوں کے سامنے(۳۸)

اس طرح خوف کی حالت میں انسانی جسم میں کیا کیا۔ کیمیائی تبدیلیوں رونما ہوتی ہیں اس کا اظہار منیر کے اس شعر میں بہ طریق احسن ہوا ہے واضح رہے کہ اس شعر میں ایک نامانوس ترکیب ''کھنڈی ہوئی'' استعمال ہوئی ہے جو پنجابی اور سرائیکی زبانوں میں بکھرے ہوئے'' کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

جسم کا خون سمٹ آیا تھا ڈری نگاہوں میں
زر کی زردی کھنڈی ہوئی تھی پیلے ہاتھوں پر(۳۹)

منیر نیازی کے ہاں تاریخی شعور جب غزل کا حصہ بنتا ہے تو کئی ایک علوم کے در وا کرتا ہے منیر کی غزل میں زمانوں کے تسلسل میں تعمیر و تخریب کے عمل میں حیرت، عبرت اور مذہبی اشارات یکجا ہو جاتے ہیں۔ یہاں علم بشریات (Anthropology) آثارِ قدیمہ (Archeology) اور تاریخ کے تار و پود سے تشکیل پاتی ہوئی عبرت خیزی حیرت کی فراوانی کا باعث بنتی ہے جو جدید انسان کو ہوس زر میں لپٹا دیکھ کر اسے اپنے انجام سے ڈراتی ہے ۔ منیر نیازی کے مجموعہ ہائے کلام ''ماہِ منیر'' اور ''دشمنوں کے درمیان شام'' میں ایک سطح کی روحانی اور نزہت آمیز فضا تخلیق پاتی ہے اور اس صالحیت کا اثر اُن کی تمام غزلوں میں کہیں خفی اور کہیں جلی صورت میں ملتا ہے اور مذہبی نسبت سے ذہن قرآن و حدیث اور دیگر صحف سماوی کے قصوں اور حکایتوں کی طرف راغب ہوتا ہے جن میں ماضی کے طاقتور انسانوں اور طبقوں کے انہدام کی داستانیں رقم ہیں۔ منیر نے غزل میں کہیں مذہبی رنگ میں اور کہیں خالص غزلیہ رنگ میں ماضی اور تاریخی شعور سے اعتنا کیا ہے۔

منیر عطاء الحق قاسمی، سراج منیر اور احمد حسن حامد کے ساتھ ایک مکالمے میں اس سوال کے جواب دیتے ہوئے کہ منیر کی شاعری میں قدیم زمانوں کا اور طلسم وغیرہ کا ذکر ہے اس بنیادی عنصر کی نوعیت کیا ہے، کہتے ہیں۔

> ''تمہیں پتہ ہے کہ میں کن زمانوں اور کن علاقوں میں گھومتا رہتا ہوں ثروت حسین کراچی کا نیا شاعر ہے وہ کہتا کہ میرے شعر کی معرفت وہ بابل و نینوا کے کھنڈرات تک گھوم آیا ہے''۔

ہے باب شہر مردہ گزر گاہِ بادشاہ
میں چپ ہوں اس جگہ کی گرانی کو دیکھ کر(۴۰)
ابھی مجھے اک دشت ویرانی سے گزرنا ہے
ایک مسافت ختم ہوئی ہے ایک سفر ابھی کرنا ہے(۴۱)

سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گیئں
اُن امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گیئں
کر یاد اُن دنوں کو کہ آباد تھیں جہاں
گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گیئں

مر مر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
کیسی ہوائیں کیسا نگر سرد کر گئیں
کیا باب تھے جہاں جو صدا سے نہیں کھلے
کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بےاثر گئیں (۴۲)

رات دن کے آنے جانے میں یہ سونا جاگنا
فکروالوں کو پتے ہیں اس نشانی میں بہت(۴۳)

منیر اندازہ قعرِفنا کرنا ہو جب مجھ کو
کسی اونچی جگہ سے جھک کے نیچے دیکھ لیتا ہوں(۴۴)

جی خوش ہوا ہے گرتے مکانوں کو دیکھ کر
یہ شہر خوفِ خود سے جگر چاک تو ہوا (۴۵)

مکاں بنا نہ یہاں اس دیارِ شر میں منیر
یہ قصر شوق نگر کے عذاب میں نہ ملا(۴۶)

درِ فیصل کھلا یا پہاڑ سر سے ہٹا
میں اب گری ہوئی گلیوں کے مرگ زار میں ہوں(۴۷)

اک بشر میں کئی بشر دیکھے
جزو کل کے حصار میں دیکھا(۴۸)

آخری شعر میں حیاتیاتی سائنس کا واضح انکشاف موجود ہے فی زمانہ حیاتیاتی علوم (Biological Sciences) نے کلوننگ پر خاطر خواہ کام کیا ہے۔اس نظریے کی رو سے انسانی جسم کے کسی حصے جلد یا کسی دوسرے

حصے کے ایک ٹشو سے پورا انسان تخلیق کیا جا سکتا ہے صرف ایک سیل ہی نئے انسان کو جنم دے سکتا ہے۔ لہذا اس شعر کو اس نظریے کے تحت دیکھا جائے تو اس کی تفہیم بالکل واضح ہو جاتی ہے

اک بشر میں کئی بشر دیکھے
جزو کل کے حصار میں دیکھا

مختصراً منیر نیازی کی غزل میں جہاں موسموں کے اثرات، جمال یار کے قصے، وصل کی رنگیناں، فرقت کے لمحات، روزگار کے جھمیلے، دوستوں سے گلے، دہشت خوف اور ترحم کے جذبات اُبھرتے ہیں وہاں بُرائی سے نفرت احساس ملال تنذیہی اسلوب شعر ذرپرستی کی نفی وطن ومذہب سے محبت غزل میں حمدیہ ونعتیہ انداز بھی ملتا ہے اور ان تمام عناصر کے پس منظر میں ایک سائنسی انداز فکر، ایک استدلالی مکالمہ اور فلسفیانہ تدبر بھی نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طارق ہاشمی، اردو نظم اور معاصر انسان، اسلام آباد: پورب اکیڈمی، ۲۰۱۵، ص ۲۵-۱۲۴

۲۔ فرحت جبیں ورک، ڈاکٹر، منیر کا جذبہ حب الوطنی اور مثالی ریاست کا تصور، مشمولہ: پیغام آشنا، شمارہ، جولائی تا ستمبر ص ۱۰۵

۳۔ فیض احمد فیض، (دیباچہ) ''ساعت سیار''، لاہور: ماورا پبلی کیشنز، س ن، ص ۶۵

۴۔ ایضاً ص ۶۳

۵۔ منیر نیازی، آغاز زمستاں میں دوبارہ، لاہور: ماورا پبلی کیشنز، س ن ص ۱۵

۶۔ ایضاً ص ۸

۷۔ ایضاً ص ۱۷

۸۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاً ص ۲۹

۹۔ ایضاً ص ۳۸

۱۰۔ منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان شام، لاہور: ماورا پبلی کیشنز، س ن، ص ۵۵

۱۱۔ منیر نیازی، آغاز زمستاں میں دوبارہ، ایضاً ص ۷

۱۲۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاً ص ۷۵

۱۳۔ ایضاً ص ۹۳

۱۴۔ ایضاً ص ۹۲

۱۵۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۹۰

۱۶۔ منیر نیازی ''جنگل میں دھنگ''، لاہور: ماورا پبلی کیشنز، س ن، ص ۸۱

۱۷۔ طارق ہاشمی، اردو غزل نئی تشکیل، ایضاًص ۱۳۲

۱۸۔ منیر نیازی،، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۱۴

۱۹۔ ، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۶۳

۲۰۔ ، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۶۶

۲۱۔ منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان شام، ایضاًص ۵۲

۲۲۔ ایضاًص ۷۰

۲۳۔ ایضاًص ۷۱

۲۴ منیر نیازی، آغاز زمستاں میں دوبارہ، ایضاًص ۷

۲۵۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۶۹

۲۶۔ طفیل دھانہ، پروفیسر، ''بگ بینگ سے کلوننگ تک'' لاہور، فکشن ہاوس، ۲۰۱۲ ص ۱۵

۲۷۔ منیر نیازی ''آغاز زمستاں میں دوبارہ'' ایضاًص ۶۹

۲۸۔ ایضاًص ۷۱

۲۹۔ ایضاًص ۳۶

۳۰۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۱۰۴

۳۱۔ منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان شام، ایضاًص ۴۴

۳۲۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۶۳

۳۳۔ یضاًص ۸۷ ۳۴۔ ایضاًص ۶۸ ۳۵۔ ایضاًص ۵۰

۳۶۔ ایضاًص ۱۰۵ ۳۷۔ ایضاًص ۹۱ ۳۸۔ ایضاًص ۹۳

۳۹۔ ایضاًص ۱۰۵

۴۰۔ منیر نیازی سے مکالمہ (مشمولہ) سہ ماہی ''تسلسل'' منیر نیازی نمبر، شمارہ ۴۰، ص ۳۵

۴۱۔ منیر نیازی، اس بے وفا کا شہر، ایضاًص ۴۷

۴۲۔ ایضاًص ۵۷ ۴۳۔ ایضاًص ۶۲ ۴۴۔ ایضاًص ۴۳

۴۵۔ ایضاًص ۴۹ ۴۶۔ ایضاًص ۵۳

۴۷۔ ایضاًص ۸۷ ۴۸۔ منیر نیازی ''آغاز زمستاں میں دوبارہ'' ایضاًص ۱۱